ڈاکٹر محمد نوید
صدر شعبہ اردو، قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی، گلگت بلتستان ۔
ڈاکٹر سعدیہ طاہر
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، وفاقی اُردو یونیورسٹی، اسلام آباد۔
ڈاکٹر شیر علی
چیئرمین شعبۂ اردو، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد۔

اُردو کافی کے تجربات: "نیلی کے سو رنگ"

Dr. Muhammad Naveed
Head Urdu Department, Karakoram International University, Gilgit Baltistan.
Dr. Sadia Tahir
Assistant Professor, Urdu Department, Federal Urdu University, Islamabad.
Dr. Sher Ali
Chairman Urdu Department, Alhamd Islamic University Islamabad.

Experiments in Urdu Kāfi: Nīlī kē Sau Rang

Kāfi is a popular genre of Sufi music. It contains the romance, Sufi mysteries, and spiritual experiences of Punjabi, Sindhi, and Siraiki folk literature. It blends the sweetness of local languages with musical rhythms. People still listen and sing the kāfis by Khawaja Ghulam Farid, Bulleh Shah, and Shah Hussain. Some people might have written kāfis in Urdu as well, but despite a thorough search, no collection other than Nīlī kē Sau Rang could be found in Urdu. This research paper analyzes Sarmad Sehbai's experiment of Urdu kāfis from a linguistic and thematic point of view.

Key Words: *Sufi Music, Punjabi, Saraiki, Ghulam Fareed, Sarmad Sahbai*

کافی صوفی شاعری کی مقبول صنف ہے اور پنجابی، سندھی اور سرائیکی لوک ادب کی رومانویت، صوفیانہ رمزیں اور روحانی واردات لیے ہوئے ہے۔ یہ صنف مقامی زبانوں کی مٹھاس کے ساتھ موسیقی کے سُروں سے بھی لطف اندوز کرتی ہے۔ خواجہ غلام فرید، بلھے شاہ اور شاہ حسین کی کافیاں آج بھی لوگ سنتے اور گنگناتے ہیں۔ اُردو

زبان میں یقیناً کچھ شعرا نے اس صنف کے تجربات کیے ہوں گے لیکن تلاش و جستجو کے باوجود " نیلی کے سو رنگ " کے علاوہ کوئی مجموعہ اردو زبان میں نہیں مل سکا۔ اردو کافیوں کا یہ مجموعہ ۱۹۸۶ء میں منظر عام پر آیا جو کہ ۱۶۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مجموعے میں سرمد صہبائی نے تصوف کے رنگ و آہنگ میں ڈوبی ہوئی کافیاں لکھی ہیں۔ اس کتاب کا انتساب سرمد نے سندھی ادب کی لوک کہانی کے کردار "ماروی" کے نام کیا ہے۔

اگست ۱۹۸۱ء میں سرمد صہبائی دو سال ڈپیوٹیشن پر پی ٹی وی سے لوک ورثہ بحیثیت ریسرچ ڈائریکٹر آئے۔ یہ کافیاں انہی دو سالوں میں تخلیق ہوئی ہیں۔ ان دنوں آدم جی، پٹھانے خان، نصرت علی خان اور استاد سلامت علی خان کے ساتھ قربت رہی۔ سرمد صہبائی مادھو لعل سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں، موسیقی کے بھی بڑے شناور ہیں نہ صرف اچھے سنویے ہیں بلکہ کلاسیکی موسیقی کا ایک بڑا ذخیرہ ان کے اندر موجود ہے۔ اس طرح موسیقی اور درویشی کی ایک فضا بن گئی تھی جس میں سرمد جیسے شاعر کا اس صنف کی طرف جانا لازمی تھا۔ اسلام آباد میں باہر کی فضا کچھ ایسی نہیں جیسی سرمد نے لاہور میں دیکھی تھی۔ لاہور سے انھیں اسلام آباد بھیجا گیا تو یہ بالکل ٹوٹ گئے تھے اور تنہا ہو چکے تھے صرف ان احباب تک محدود تھے۔ لوک ورثہ کے یہ احباب اس عرصہ کو قید قرار دیتے ہیں اس لیے درشن نے اپنے مضمون کا عنوان ہی "جیل دا ساتھی" رکھا ہے۔ درشن اس " نیلی کے سو رنگ " کی تخلیق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں :

> "نیلی کے سو رنگ" دی بوہت ساری شاعری ایسی اے جیڑی اوہناں چو۔۔۔ مہیناں وچہ وجود وچہ آئی جدوں سرمد ہوری ساڈے نال ڈکے ہوئے سن۔ ایس کتاب دی بوہت ساری شاعری ایسی اے جینوں اسیں۔۔۔ یعنی کاغذات دی زینت بنن توں وی پہلاں سنیا اے۔ ایس کتاب دا ناں "نیلی کے سو رنگ" تے ایس وچ جاتک، پنچھل لاٹری، زرسچ، پروان تے بل ور گے بہت سارے شبد ساڈی قید دی سانجھ نوں تازیاں کر دے نیں، مینوں پکا یقین ایں کہ سرمد جی ساڈے نال قید نہ رہیا ہندا تے ایس کتاب دا انتساب "ماروی" دے ناں کدے نہ کردا"۔(۱)

سرمد صہبائی شاعری میں جدید رویوں اور جدید ترین رجحان کے نمائندہ ایک منفرد شاعر ہیں۔ یوں تو نظم کی طرف سرمد کا خصوصی میلان ہے تاہم انھوں نے غزل بھی کہی ہے۔ اردو شعرا میں سرمد ایک منفرد اور ممتاز مقام کے حامل ہیں۔۔ سیاسی، سماجی، قومی اور بین الاقوامی موضوعات پر نظمیں لکھنے والا سرمد اچانک تصوف کے رنگ

میں ڈوب کر لکھنے لگا۔ احباب کو حیرت تو ہوئی تاہم انھوں نے ثابت کر دیا کہ وہ خوبصورت کافی بھی لکھ سکتے ہیں۔ سرمد کو بھی یہ فخر ہے کہ فیض نے جن نوجوان شعرا کی شاعری کو پسند کیا۔ ان میں سرمد کا نام سر فہرست ہے۔ روزنامہ جنگ کو انٹرویو دیتے ہوئے سرمد صہبائی نے فیض کے حوالے سے یہ واقعہ سنایا:

> ''ایک تقریب میں میں نے فیض صاحب کے لیے ایک نظم ان ہی کے مخصوص رنگ میں لکھی لیکن اس میں کوئی بھی ترکیب فیضؔ صاحب والی نہ تھی میں نے کہا 'فیضؔ صاحب ہم آپ کی طرح لکھ سکتے تھے لیکن یہ سوچ کر نہ لکھا کہ آپ لکھتے رہیں، فیضؔ صاحب بڑے آدمی تھے کہنے لگے بھائی ہم نے تمہاری کافیاں پڑھی ہیں۔ میں نے کہا کسی لگیں؟ کہنے لگے ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ جو دل کو لگانے کا ڈھب جانتے ہیں وہ ترکیب و رکیب سب جانتے ہیں''۔ (۲)

کافی ایک صوفیانہ صنف سخن ہے اس صنف میں صوفی شعرا نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور عوام کی صحیح سمت میں رہنمائی کی ''نیلی کے سورنگ'' صوفیا کی اسی روایت سے جڑی ہوئی ہے۔ سرمد صہبائی صنف کافی کے حوالے سے اپنے ایک انٹرویو میں بیان کرتے ہیں:

> ''کافی کی تعریف میں نے کیا کرنی ہے۔ کافی دراصل ایک صوفیانہ انداز کی شاعری ہے اور بد قسمتی سے صوفیا کو کچھ غلط انداز سے سمجھا بھی گیا ہے۔ میرا مقصد ایسے صوفیوں سے نہیں ہے جن کی خانقاہیں تھیں یا جن کی کوئی گدی نشینی تھی میرا مقصد ایسے صوفیوں سے ہے جیسا کہ بلھے شاہ ہیں شاہ حسین ہیں جنھوں نے کوئی گدی وغیرہ نہیں بنائی بلکہ انھوں نے زندگی کو بڑے قریب سے دیکھا ہے اور انسان کی عزت کی ہے انسان کو عظیم سمجھا ہے۔ اس کی تذلیل سے بچانے کے لیے اس کے بارے میں بات کی ہے''۔ (۳)

سرمد صہبائی نے اپنی کافیوں میں علاقائی زبانوں کے الفاظ کو بھی بھرپور طریقے سے استعمال کیا اور یوں ان کی کافیوں کا تعلق براہ راست پاکستان کی سرزمین اور اس میں بسنے والے عوام کے ساتھ جُڑ گیا۔ انھوں نے اپنی کافیوں کے مجموعے کا نام پنجابی لوک داستان ''مرزا صاحباں'' کے کردار مرزا جٹ کی گھوڑی ''نیلی'' کے نام پر رکھا۔

اَن ہونی کی دھول پر نیلی کے سورنگ

صاحباں سوئے صحن میں مہک اُڑے چو دنگ [۴]

اُردو اور پنجابی شاعری میں "کافی" کو بحیثیت شعری صنف صوفیاہی نے استعمال کیا ہے اور اس میں انھوں نے صوفیانہ خیالات اور عوام الناس کے مسائل کو بھی صوفیانہ آہنگ میں بیان کیا ہے۔ سرمد صہبائی کا بلھے شاہ اور مادھو لعل حسین کی شاعری سے بڑا گہرا لگاؤ ہے۔ جس کی وجہ سے ایک خاص وقت اور مخصوص ماحول میں "نیلی کے سو رنگ" کی کافیاں تخلیق ہوئیں۔ جس کی وجہ سے کافی کی روایت میں ایک نئے دور کے شاعر کے احساسات اپنے دیسی لوگوں کے لیے امنڈ آئے۔۔ سرمد صہبائی اپنی شاعری کے اس موڑ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

> "جب سے گورنمنٹ کالج میں پڑھتا تھا تو میں انگریزی میں ایم اے کر رہا تھا۔ جب کالج میں گپ شپ ہوتی تھی تو سارے یورپ کے رائٹرز ڈسکس ہوتے تھے لیکن بد قسمتی ہماری یہ تھی کہ ہمیں پتا نہیں تھا کہ بابا بلھے شاہ کون ہیں، وارث شاہ کون ہیں بعد میں اس چیز کا احساس ہوا کہ ہم کیوں ایک دوسرے کی تہذیب کی ساری چیزیں حفظ کیے جا رہے ہیں۔ جب میں نے شاہ حسین کو پڑھا، بابا بلھے شاہ کو پڑھا، وارث شاہ کو پڑھا تو میرے اوپر ایک نئی دنیا ظاہر ہوئی مجھے پتہ چلا کہ یہ تو ہمارے جو باشندے ہیں اس علاقے کے ان کی زندگی ہے اس میں جس طرح سے وہ سوچتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں جو رنگ وہ دیکھتے ہیں اور جن موسموں کا وہ ذکر کرتے ہیں وہ سارا کچھ تو ہماری کافی میں ہے اور یہ غزل میں نہیں ہے اس لیے میں نے کہا اصل بات تو یہاں ہے اس لیے میں نے کافی لکھنی شروع کر دی"۔[۵]

سرمد کے نزدیک غزل ہماری صنف سخن نہیں ہے کیونکہ غزل فارسی سے آئی ہے اس کے مقابلہ میں کافی ہماری اپنی صنف سخن ہے اس میں اپنی تہذیب و معاشرت کی عکاسی نظر آتی ہے۔ مقامی صنف سخن ہونے کی وجہ سے اس میں اپنائیت کا احساس اور تہذیبی رچاؤ ہے۔ سرمد صہبائی بیان کرتے ہیں:

> "غزل تو ویسے ہی ہماری صنف نہیں ہے لیکن چونکہ غزل نے یہاں پرورش پائی ہے اور اس میں ترقی ہوئی جب ہم اس کو ذرا دربار سے نکال لیں اور اس کو عام زندگی میں لے آئیں اور اس کے کچھ انداز تبدیل کر دیں تو شاید اس میں کوئی بات پیدا ہو جائے لیکن ہماری اپنی جو مقامی صنف سخن ہے وہ تو کافی ہے"۔[۶]

سرمد نے "نیلی کے سورنگ" میں جو کافیاں لکھی ہیں یہ آزاد نظم کی ہیت میں ہیں۔ اس شعری مجموعے میں جہاں خوبصورت مقامی الفاظ، موسموں کی مٹھاس اور رنگوں چاشنی ہے وہاں شاعر نے اپنے لاشعور کی باتیں شعور میں لا کر اپنے خیالات و احساسات اور محسوسات کو صدف بنا کر سیپی میں بند کر دیا ہے۔ اس مجموعہ میں انھوں نے سچل سرمت اور بابا بلھے شاہ کے قدیم نظریہ تصوف کی ترجمانی بھی کی ہے اور اس منافقت کے دور میں رشد وہدایت کے نئے دروار کیے ہیں لیکن وہ وعظ نہیں کرتے بلکہ بات کو کسی نہ کسی کیفیت کسی نہ کسی احساس میں گوندھ کر بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے شعوری اور لاشعوری کوشش سے پاکستان کے علاقائی کلاسیک صوفی شعرا کے ساتھ روحانی اور لسانی تعلق کو جوڑا، وہی لفظیات اپنائیں جو کہ صوفیاکرام نے اپنائی تھیں۔ انھوں نے پنجابی، سندھی، پشتو، سرائیکی، پہاڑی اور دوسری علاقائی زبانوں کے الفاظ کو بڑی مہارت اور خوبصورتی سے برتا ہے۔ مثلاً

پنج دریا جہاں گلے ملیں
اپنے سخن کی وادی
سانول
آکر دل آبادی (۷)

ظاہری طور پر ایسے لگتا ہے کہ سرمد نے تصوف کے بارے میں اپنے جدید نظریات کو کافی کے مروجہ رنگ میں نہیں لکھا اور اس ضمن میں آزاد شاعری کو منتخب کیا ہے۔ لیکن پھر بھی صوفیا کے طرز سخن کا دل کش رچاؤ محسوس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر انیس ناگی، سرمد صہبائی پر صوفیا شعرا کے اثرات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اسے مہاتمابدھ، سچل سرمت، میر ابائی، بلھے شاہ کے خیالات کا مجموعہ بھی کہا جا سکتا ہے اور اس طرح سرمد نے ثقافتی یکجہتی کی فضا قائم کی ہے۔ سرمد نے تصویری اشیا سے مضامین نکالے ہیں جو صوفیا اکرام کا طریقہ کار ہے"۔ (۸)

سرمد کا تعلق صرف پنجاب سے نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں بسنے والوں سے ہے وہ زبان کی حدود قیود کا فرق کیے بغیر عوامی رنگ میں بات کہنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کے ہاں اردو، ہندی، سندھی، پنجابی، پشتو، سرائیکی اور پہاڑی الفاظ اتنی روانی سے استعمال ہوئے ہیں کہ کہیں اجنبیت کی بو نہیں آئی بلکہ اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ یوں ان کی کافیاں لسانی تجربے کا عمدہ نمونہ معلوم ہوتی ہیں۔ جن سے اردو زبان کو وسعت اور تنوع

ملا، علاقائی زبانوں کے الفاظ سے قومی زبان کا دائرہ نہ صرف پھیلا بلکہ بہت سے علاقائی احساسات بھی اردو زبان میں سمٹ گئے ہیں۔

سرمد نے اپنی کافیوں میں اپنے عصری مسائل کو بھی اجاگر کیا ہے۔ کافیاں لکھنے کی تحریک ان کے ہاں صوفیا سے آئی اور ان کے پیش نظر یہی مقصد تھا کہ اپنی تہذیب و ثقافت کا اظہار اپنی زبان میں کیا جائے۔ سرمد اپنے ایک انٹرویو میں بیان کرتے ہیں:

> ''میری کافیاں صوفیا کے مطابق تو نہیں ہیں ان سے تحریک ضرور ملی ہے اور خاصے استعارے انہی سے لیے گئے ہیں لیکن ظاہر ہے اس میں جو یہاں کے عصری مسائل ہیں ان کو بھی شامل کیا گیا ہے''۔(۹)

اس طرح انھوں نے خاص اسلوب سے کافیوں کی بنت کی ہے، جو دل پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ کافیاں قاری یا سامع سے گفتگو کرتی محسوس ہوتی ہیں۔ شاعر براہ راست اپنی تہذیب سے مکالمہ کرتا ہے۔ پروین شاکر نے '' نیلی کے سورنگ'' کے حوالے سے کہتی ہیں:

> ''سرمد بلاشبہ ایک نئی زبان بنا رہا ہے جس میں اردو، پنجابی، سندھی اور سرائیکی مہکاریں اکھٹی ہو گئیں ہیں اس کے ہاں اپنائیت بلا کی ہے وہ جو کہتا ہے دوسرے کے دل میں اتر کر کہتا ہے نہ تو اس کی طلب خام ہے اور نہ جس چیز کی وہ چاہت کرتا ہے وہ غیر مکمل ہے''۔(۱۰)

سرمد کی کافیوں میں ہماری دھرتی کی خوشبو رچی بسی ہوئی ہے۔ زندہ استعاروں اور باطن سے اٹھنے والا کرب پڑھنے یا سننے والوں کے باطن میں چھپے غبار کو چھیڑتا ہے اور انسان کو اپنے ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ کافی کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ غزل کی طرح کلاسیکی موسیقی سے جڑی ہونے کے باعث یہ براہ راست دل و دماغ پر اثر کرتی ہے۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ شاعر موسیقی کو سمجھتا ہو، ورنہ کافی لکھی نہیں جا سکتی۔ اگر لکھ بھی لی جائے تو اس میں وہ تاثیر نہیں ملے گی۔ سرمد صہبائی کلاسیکی موسیقی کا ذوق بھی جنون کی حد تک رکھتے ہیں۔ ان کی کافیوں میں موسیقیت بھی بلا کی ہے۔

''نیلی کے سورنگ'' زبان و بیان اور رویے کے لحاظ سے اچھوتے، منفرد اور نرول کلام سے مزین ہے۔ سرمد نے ان کافیوں کا مختلف علاقائی زبانوں کے تال میل سے دل کو لبھا لینے والا اسلوب پیدا کیا ہے۔ مثلاً

مکھ کی جوت بڑھی
پوماگھ کے موسم ہیں یہ
کیسی دھوپ چڑھی
مکھ کی جوت بڑھی (۱۱)

....

سارے رنگ کے سنگ آگھر سائیں
موڑ مہار اڑاتے بادل کی
موج سندھل کی (۱۲)

....

ہم سادہ بندے رب سائیں
لُچا دھرم سماج
میں نہ کل نہ آج (۱۳)

....

کافر سولہ سال کی
چومیسا چترال کی
گھونگٹ کالی زلف کی
اندر دھوپ سیال کی (۱۴)

یہ محض لسانی تجربہ ہی نہیں بلکہ اس کی لسانیات ایک تہذیبی شعور کا نتیجہ ہے کہ الفاظ محض ابلاغ کے لیے استعمال نہیں ہوئے بلکہ ان کے ذریعے ہم اپنے تہذیبی اور جمالیاتی ماخذ کا شعور حاصل کرتے ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد نئی نسل کے نوجوان شعرا کے سامنے اردو شاعری کی جو روایت موجود تھی وہ نصابی اور روایتی تھی۔ نئے شاعروں کے سامنے جو مسائل تھے ان کے اظہار کے لیے یہ زبان و بیان نہ صرف ناکافی تھا بلکہ بہت حد تک مصنوعی سا تھا۔ غزل کی روایت میں جو تہذیبی استعارہ مستعمل تھا اُس کا اس ملک کی سرزمین سے بہت کم تعلق تھا۔ چنانچہ اس شاعری میں سے پاکستان کا لینڈ سکیپ غائب تھا۔ نئے شاعروں نے غزل اور نظم دونوں میں تجربات کیے اور ایک نئی

اور تازہ تخلیق کرنے کی کوشش کی۔ سرمد صہبائی انہی شاعروں میں سے ایک ہیں جنھوں نے مروجہ زبان و بیان سے بغاوت کی۔ انھوں نے زبان کے ساتھ ساتھ اپنی تہذیب و ثقافت کو بیان کرنے کے لیے ''کافی'' کو بطور صنف سخن اپنایا اور ان کافیوں میں اپنی تہذیب و ثقافت کو سمو دیا ہے۔ یوں تو ''نیلی کے سورنگ'' میں پورے پاکستان کی تہذیب و معاشرت بلکہ یوں کہہ لیجئے کہ برصغیر کی تہذیب و ثقافت بکھری پڑی ہے۔ لیکن یہاں اس ضمن میں محض چند ایک حوالے پیش خدمت ہیں۔ ان کافیوں کے عنوانات ملاحظہ کیجیے۔ ''دوہا چندی داس کا''، ''ٹھل ٹھل آئے موج سندھل کی''، ''چیتر رت کی جائی ہو''، ''میرا بائی کے بھجن کا روپ''، ''میں راوی دریا کی داسی''، ''اپنا آپ نہ پورن ہو''، ''اُومہا ویر اُومہا ویر''، ''اُٹھ گیو آب و دانا سائیں''، ''ہرا سمندر گوپی چندر''، ''موہنجوڈرو کی رقاصہ کے نام''، ''قصہ گاموں کمہار کی گھوڑی کا''، ''قصہ بابے بوڑھ والی کی بیٹی کا''، ''قصہ میراں کے بچے کا''، ''آخری چڑھاوا''، اور ''خیر ہو سائیں'' وغیرہ۔

درجہ بالا تمام نظمیں اور ان کے علاوہ بھی تقریباً سبھی نظموں میں ہمیں اپنے ہی ارد گرد کے انسان چلتے پھرتے اپنے معاملات میں مصروف نظر آتے ہیں۔ مثلاً

ہاڑ ادیس پنجاب کے لوگو
کھیڑے لے گئے ہیر
اومہرویر اومہرویر (۱۵)

...

تیرا سُوت چرخڑے تیرے
اپنا تانا بانا سائیں
اٹھ گیا آب ودانہ (۱۶)

...

ہرا سمندر
گوپی چندر
بول میری مچھلی کتنا پانی
کتنا پانی؟ (۱۷)

یہ بہتے گہرے پنج دریا
میرے بدن کے پانچ حسین ہیں
جن سے تیرا روپ کا چشمہ
پھوٹ رہا ہے (۱۸)

...

یا مولا یا مرشد!
پھٹی ہوئی تقدیریں اوڑھے
بھوک میں لتھڑے بچے
تیرے نام پہ پیسہ مانگیں
یا مولا یا مرشد! (۱۹)

...

ناں میں صاحباں آں میں سوہنی
بیچ کھڑی منجدھاری
جاناں
پل بھر عمر ہماری (۲۰)

...

سجنی جائوں جُل بھرنے
سر پر گاگر دھریو
مائی مرا من موہن ہریو
اس آلی بھولی صورت پر
کس نے ٹونا کریو
مائی مرا من موہن ہریو (۲۱)

یہ کافیاں اپنی تہذیب و معاشرت کی آئینہ دار ہے۔ان کی کافیوں میں علاقائی زبانوں کا رنگ بہت غالب ہے۔علاقائی زبانوں اور ثقافت کے غالب رجحان کے بارے میں سرمد صہبائی بیان کرتے ہیں:

''سندھ، ملتان، اور پنجاب کے علاقہ ہڑپہ اور موہنجوڈرو کے زمانے سے ایک ہی ثقافت کے سرچشمہ میں یہاں کے باشندوں کی داستانیں، گیت اور علامتیں ایک ہی جیسی ہیں۔ چنانچہ میری اس شاعری پر ان زبانوں کا رنگ نمایاں ہے۔'' (۲۲)

''نیلی کے سورنگ''میں موسیقی کا رنگ بھی جھلکتا ہے واضح دکھائی دیتا ہے۔ اس میں موسیقیت کا ہونا لازمی امر تھا کیونکہ کافی کا تعلق موسیقی سے بہت گہرا ہے۔اس میں کافیاں لکھنے والے بزرگ موسیقی سے خاص طور پر شغف رکھتے تھے خاص طور پر شاہ عبداللطیف، شاہ حسین، اور بلھے شاہ موسیقی کے بہت بڑے ماہر تھے اور ان کی شاعری میں موسیقی کو بہت بلند درجہ حاصل ہے۔کافی ایک ٹھاٹھ بھی ہے اور راگ بھی، یہ صنف سندھ اور پنجاب میں بہت مقبول ہوئی۔ ہمارے علاقائی شعرا نے شاعری اور موسیقی کو بہت قریب رکھا ہے۔ سرمد چونکہ خود موسیقی سے بھی وابستہ ہیں اور اپنے اس ذوق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

''میں خود موسیقی کا بہت رسیا ہوں اور خاص طور پر کلاسیکی موسیقی سے مجھے بہت دلچسپی ہے''۔ (۲۳)

سرمد صہبائی بھی موسیقی کے رسیا ہیں اور کافی بھی موسیقی سے گہرا تعلق اس لیے ''نیلی کے سورنگ''میں موسیقیت کا ہونا لازمی امر ہے۔ مثلاً چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

تیرا سپنا امر سے تک
اپنی نیند ادھوری، سائیں
اپنی نیند ادھوری سائیں (۲۴)

....

اپنے دیس ہوئے پردیس
تیری گلی میں تجھ سے ملنے
آئیں اب کس بھیس
اپنے دیس ہوئے پردیس (۲۵)

واہ جان محبوبیاں
عیب مرے تیری خوبیاں
واہ جان محبوبیاں
ایک جھلک تیری دید کی
عمروں کی مجذوبیاں
واہ جان محبوبیاں (۲۶)

....

چاروں اُور سراب ہیں
کہاں بجھائیں پیاس
سائیں تیرے ملک میں
اپنا رزق اُداس (۲۷)

سرمد کی کافیوں میں جمالیات کا احساس بھی بے حد متاثر کرتا ہے۔ سرمد جمالیات کی ان پرچھائیوں کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

"میں نے گم شدہ آرکی ٹائپ اور علامتوں کو دریافت کرکے شاعری کے رشتے اپنی تہذیب اور جمالیات سے جوڑے ہیں۔" (۲۸)

صوفی شعرا نے اپنی کافیوں میں ہجر اور فراق کی بات کی ہے، اپنے محبوب سے جدائی میں انھوں نے کافیاں کہی ہیں مگر سرمد کے ہاں ہمیں وصال اور جمال ملتا ہے۔ سرمد وصال اور جمال کا شاعر بن کر سامنے آتا ہے ۔مثلاً

چوم آنکھیں مری
ہونٹ پر ہونٹ رکھ
کھینچ سانسیں مری
موج بن کر لپٹ
آ مجھے لے بہا

لال کپڑوں میں آ
لال کپڑوں میں آ (۲۹)

.....

تیرے شہد بھرے ہونٹوں سے
پیاسی گود بھروں
تیری بیل چڑھوں
ہم آغوشی کے موسم میں
کلی سے پھول بنوں
تیری بیل چڑھوں (۳۰)

سرمد کی شاعری میں جمالیات کے ماخذ کیا ہیں؟ ان پر گفتگو کرتے ہوئے سرمدؔ نے بیان کرتے ہیں:

"ایک عرصے سے ہماری شاعری میں جو جمالیات رائج رہی ہے اس کا تعلق ہمارے خطے سے کم رہا ہے، چنانچہ جو تجربات خاص طور پر حسی تجربات ہم روزانہ اپنے گردو پیش میں کرتے ہیں وہ ہماری شعری جمالیات میں کم نظر آتے ہیں۔ علاقائی زبانیں اور علاقائی ثقافت ہی ہماری قومی ثقافت کا سرچشمہ ہیں اور ہمارا قومی شعور شاعری میں جمالیات کے ماخذ یہی تہذیبیں ہیں"۔ (۳۱)

مثلاً وہ کہتے ہیں:

کالے بالوں والڑیاں
چیتر کی لاڈلیاں
امبر اُتراندی کے اندر
ہر اسمندر گوپی چندر
کتنا پانی کتنا پانی؟
پوچھیں یہ بھانولیاں
چیتر رت کی لاڈلیاں (۳۲)

انھوں اپنی کافیوں میں ہندو جوگیوں اور مسلمان صوفیا کے مابین فرق کو ختم کرتے ہوئے کافی میں بدن کی شاعری کو پیش کرنے کا تجربہ بھی کیا ہے۔ مثلاً

پھول کٹوری
دُدھ بھری گوری
ماتھے پہ بندھڑی
سینہ آم سندھڑی (۳۳)

....

تیری بیل چڑھوں میں سانوال
تیری بیل چڑھوں (۳۴)

سرمد صہبائی نے کافی کی صنف کو نئے سرے سے وسیلہ اظہار بنایا ہے۔ صوفیا اکرام کے حوالے سے سرمد ایک انٹرویو میں بیان کرتے ہیں:

> ''صوفی ازم کا تعلق بنیادی طور پر کسی بھی مذہب سے نہیں ہوتا کیونکہ کوئی بھی صوفی زندگی کی یکسانیت، جمود ظلم و جبر کے خلاف ہوتا ہے اور یہی صوفی کا مسلک و ایمان ہوتا ہے خواہ کوئی ہندو صوفی ہو یا مسلمان''۔ (۳۵)

سرمد صہبائی نے اپنی شاعری کے ذریعے نہ صرف ماضی کے ان آر کی ٹائپ کی از سر نو دریافت کی ہے بلکہ پرانی علامتوں اور استعاروں کو بھی زندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ''نیلی کے سورنگ'' میں ان کی کرداری نظمیں بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ شاعر اپنے خیالات کے اظہار کے لیے متنوع انداز اختیار کرتا ہے بعض اوقات تو براہ راست بات کہہ دیتا ہے اور بعض اوقات ایسے کردار تخلیق کرنا پڑتے ہیں جو اس کے خیالات کے اظہار کی بہتر طریقے سے ترویج کر سکیں۔ ٹی ایس ایلیٹ نے اپنے مضمون '' شاعر کی تین آوازیں'' میں شاعر کی تین آوازوں کا تذکرہ کیا ہے:

> ''پہلی آواز تو وہ ہے جس میں شاعر خود سے بات کرتا ہے یا کسی اور سے نہیں کرتا۔ دوسری آواز اس شاعر کی ہیں جو سامعین سے مخاطب ہوتا ہے خواہ سامعین تعداد میں زیادہ ہو یا کم۔ تیسری آواز اس کی شاعر کی جب وہ نظم میں باتیں کرنے والے ڈرامائی

کردار تخلیق کرنے کی کوشش کرتا ہے ایسے میں جب وہ باتیں کرتا ہے بلکہ وہی کہتا ہے جو ایک خیالی کردار ، دوسرے خیالی کردار سے مخاطب ہوتے ہوئے کہہ سکتا ہے۔''(۳۶)

سرمد کی کافیوں میں ہمیں یہ تینوں آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ ان کے ہاں تمثیلی کرداروں کے علاوہ روزمرہ زندگی کے کردار بھی ملتے ہیں۔ سرمد کی نظموں میں کردار نگاری کی مختلف فنی جہتیں سامنے آتی ہیں۔ ''نیلی کے سو رنگ'' میں شامل کرداری نظموں میں کردار متحرک کردار ہیں اور یہ پورے معاشرے کی علامت بن جاتے ہیں ہم ان کرداروں میں اپنی تہذیب و ثقافت کی جھلک دیکھ سکتے ہیں۔ جیسے '' قصہ گاموں کمہار کی گھوڑی کا'' ، '' قصہ دو موہنے سانپ کا'' ، ''قصہ بابے بوڑھ والے کی بیٹی کا'' ، '' قصہ میراں کے بچے کا'' ۔ ان میں ''گاموں کمہار'' ، ''بابا بوڑھ والا اور اس کی بیٹی'' اور ''میراں'' ہمیں اپنے معاشرے کے چلتے پھرتے انسان لگتے ہیں۔ ان میں ہمیں اپنی تہذیب اپنے کلچر کا رنگ نظر آتا ہے ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

''سرمدؔ کی ان نظموں کو پڑھ کر مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ ہم جیسے دوبارہ شاعری کی طرف لوٹ رہے ہیں''۔(۳۷)

''نیلی کے سو رنگ'' اردو شاعری میں ایک بہت اچھا اضافہ ہے۔ ان کافیوں کے ذریعے انھوں نے اپنی زمین سے جڑت کا اظہار کیا ہے اور اردو شاعری کی اپنی زمین، اپنی تہذیب سے دوری کی روایت کو توڑنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب میں سرمد نے ڈکشن میں بھی بہت مثبت تبدیلی کی ہے اور علاقائی زبانوں کے ملاپ سے ایک نیا ڈکشن تخلیق کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کافیوں کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ہم کسی ماروائی دنیا میں نہیں بلکہ اپنی سرزمین پر ہیں۔ ہمیں اپنے ہی ارد گرد کا ماحول ان کافیوں میں ملتا ہے یوں ہم یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ '' نیلی کے سو رنگ'' محض لسانی تجربہ نہیں بلکہ اس کی لسانیات ایک تہذیبی شعور کا نتیجہ ہے کہ الفاظ محض ابلاغ کے لیے استعمال نہیں ہوئے بلکہ ان کے ذریعے ہم اپنے تہذیبی اور جمالیاتی ماخذ کا شعور حاصل کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ عبدالغفور درشن، ''جیل داساتھی''(غیر مطبوعہ، مخزونہ، سرمد صہبائی)، ۲۵جون۱۹۸۷ء ص:۱۶۔۱۵
عبدالغفور کا تعلق لوک ورثہ سے تھا۔ سرمد کے ماتحت کام کرتے رہے۔اس زمانے میں ''نیلی کی سورنگ'' کی اشاعت ہوئی تو کتاب کی تقریب رونمائی میں مختلف احباب نے مضامین پڑھے تھے۔ درشن نے مذکورہ مضمون خود بھی پڑھا۔ درشن نے تقریب میں پڑھے جانے والے تمام مضامین اور اس دوران اخبارات میں شائع ہونے والی تحریروں کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کیااور اس کا نام ''جیل داساتھی'' رکھا۔ یہ کتاب کسی پبلشر نے شائع نہیں کی بلکہ درشن کا تیاد کردہ مسودہ ہی فوٹو کاپی کر داکے احباب میں تقسیم کیا گیا۔ اگست ۱۹۸۱ء میں سرمدؔ صہبائی دوسال ڈیپوٹیشن پر P T V سے لوک ورثہ بحیثیت ریسرچ ڈائریکٹر آئے اور عبدالغفور ان کے ماتحت تھے۔

۲۔ سرمد صہبائی(انٹرویو)مشمولہ:روزنامہ ''جھنگ''،اسلام آباد:۱۹۔اپریل۱۹۹۹ء

۳۔ سرمد صہبائی(انٹرویو)مشمولہ:روزنامہ ''مرکز''،اسلام آباد،۲۔اکتوبر۱۹۸۷ء

۴۔ سرمد صہبائی،''نیلی کی سورنگ''،کراچی،کتب پرنٹرز اینڈ پبلشرز لمیٹڈ،فروری۱۹۸۶ء،ص:۸

۵۔ سرمد صہبائی(انٹرویو)مشمولہ:روزنامہ ''مرکز''،اسلام آباد،۲۔اکتوبر۱۹۸۷ء

۶۔ ایضاً

۷۔ سرمد صہبائی،''نیلی کی سورنگ''،کراچی،کتب پرنٹرز اینڈ پبلشرز لمیٹڈ،فروری۱۹۸۶ء،ص:۳۸

۸۔ انیس ناگی(انٹرویو)مشمولہ:ہفت روزہ ''مسلمان''،اسلام آباد،۲۴فروری تا یکم اپریل ۱۹۹۲ء،ص:۵

۹۔ سرمدؔ صہبائی(انٹرویو)مشمولہ:روزنامہ ''مرکز''،اسلام آباد،۲۔اکتوبر۱۹۸۷ء

۱۰۔ پروین شاکر(انٹرویو)مشمولہ:روزنامہ ''جھنگ''راولپنڈی،۲۹جون۱۹۸۷ء

۱۱۔ سرمدؔ صہبائی،''نیلی کی سورنگ''،کراچی،کتب پرنٹرز اینڈ پبلشرز لمیٹڈ،فروری۱۹۸۶ء،ص:۱۵

۱۲۔ ایضاً، ص:۲۱

۱۳۔ ایضاً، ص:۵۴

۱۴۔ ایضاً، ص:۱۲۹

۱۵۔ ایضاً، ص:۶۶

۱۶۔ ایضاً، ص:۳۷

۱۷۔ ایضاً، ص:۱۲۶

۱۸۔ ایضاً، ص:۱۳۵

۱۹۔ ایضاً، ص:۱۵۹

۲۰۔ ایضاً، ص:۲۹

۲۱۔ ایضاً، ص:۳۳

۲۲۔ سرمد صہبائی (انٹرویو) مشمولہ: روزنامہ ''نوائے وقت''، راولپنڈی، ۳مارچ ۱۹۸۶ء

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ سرمد صہبائی، ''نیلی کی سورنگ''، کراچی، کتب پرنٹر اینڈ پبلشرز لمیٹڈ، فروری ۱۹۸۶ء، ص:۵۱

۲۵۔ ایضاً، ص:۷۰

۲۶۔ ایضاً، ص:۷۶

۲۷۔ ایضاً، ص:۱۰۹

۲۸۔ سرمد صہبائی (انٹرویو) مشمولہ: روزنامہ ''نوائے وقت''، راولپنڈی، ۳مارچ ۱۹۸۶ء

۲۹۔ سرمد صہبائی، ''نیلی کی سورنگ''، کراچی، کتب پرنٹر اینڈ پبلشرز لمیٹڈ، فروری ۱۹۸۶ء، ص:۱۰

۳۰۔ ایضاً، ص:۱۱۲

۳۱۔ سرمد صہبائی (انٹرویو) مشمولہ: روزنامہ ''نوائے وقت''، راولپنڈی، ۳مارچ ۱۹۸۶ء

۳۲۔ سرمد صہبائی، ''نیلی کی سورنگ''، کراچی، کتب پرنٹر اینڈ پبلشرز لمیٹڈ، فروری ۱۹۸۶ء، ص:۱۹

۳۳۔ ایضاً، ص:۱۹

۳۴۔ ایضاً، ص:۴۸

۳۵۔ سرمد صہبائی (انٹرویو) مشمولہ: روزنامہ ''نوائے وقت''، راولپنڈی، ۳مارچ ۱۹۸۶ء

۳۶۔ نی ایس ایلیٹ، ایلیٹ کے مضامین، مترجم؛ڈاکٹر جمیل جالبی، لاہور، سنگ میل پبلشرز، ۱۹۸۹ء، ص:۹۶

۳۷۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، "نئے شعری تجزیے"، لاہور، سنگ میل، ۱۹۷۸ء، ص:۱۲۰

References in Roman Script:

1. Abdu Ghafoor Darshan, "Jail Da Sathi", (Ghair Matbooa, Makhzuna, Sarmad, Sehbani), 25 June 1987. P.15-16
2. Sarmad Sehbani (Interview) Mashmoola:"Jhang" Islamabad, 19 April 1999.
3. Sarmad Sehbani (Interview) Mashmoola: Roznama "Markaz" Islamabad 2 October 1987
4. Sarmad Sehbani , Neli k So Rang, Karachi, Kutab Printers Publishers Ltd, February, 1986, P 8
5. Sarmad Sehbani (Interview) Mashmoola: Roznama "Markaz", Islamabad, 2 October 1987
6. Ibid
7. Sarmad Subhani, Neeli k So Rang, Karachi, Kutab Printers and Publishers, Ltd, February, 1986, P38
8. Anees Nagi (Interview), Mashmoola Haft Roza Muslman, Islamabad, 24 Feb ta Yakam April 1992, P 5
9. Sarmad Suhbani (Interview), Mashmoola Roznama Markaz Islamabad, 2 Oct 1987
10. Parveen Shakir (Interview), Mashmoola Roznama Jhang, Rawalpindi, 29 June 1987
11. Sarmad Sehbani Neeli k So Rang, Karachi, Kutab Printers and Publishers Ltd, Feb 1986, P 15
12. Ibid, P 21
13. Ibid, P 54
14. Ibid, P 129
15. Ibid, P 66
16. Ibid, P 73
17. Ibid, P 126
18. Ibid, P 135
19. Ibid, P 159
20. Ibid, P 29
21. Ibid, P 33
22. Sarmad Sehbani (Interview) Mashmoola: Roznama Nawa e Waqt, Rawalpindi, 3 March 1986

23. Ibid
24. Sarmad Sehbani Neeli k So Rang, Karachi, Kutab Printers and Publishers Ltd, Feb 1986, P51
26.Ibid P 76
25. Ibid, P 70
27. Ibid, P 109
28. Sarmad Sehbani (Interview) Mashmoola: Nawa e Waqt, Rawalpindi, 3 March 1986
29. Sarmad Sehbani, Neeli k So Rang, Karachi, Kutab Printers and Publishers, Feb 1986, P 10
30. Ibi, P 112
31. Sarmad Sehbani (Interview), Mashmoola Roznama Nawa e Waqt, Rawalpindi, 3 March 1986
32. Sarmad Sehbani, Neeli k So Rang, Karachi Kutab Printers and Publishers Ltd, Feb 1986, P 19
33. Ibid, P 19
34. Ibid, P 48
35. Sarmad Sehbani (Interview) Mashmoola: Roznama Nawa e Waqt, Rawalpindi, 3 March 1986
36. NSElite, Elite k Mazameen Mutrajam, Dr. Jamil Jalbi, Lahoe, Sang Meeil Publishers, 1989, P 96
37. Tabasssum Kashmiri, Dr, Naey Sheri Tajzey, Lahoe, Sang Meel 1978, P 120